

حجۃ الاسلام مولانا سید محمد تقیؒ ابن سید العلماء سید ابراہیمؒ

زبدۃ العلماء مولانا سید آغا مہدی صاحب قبلہ

پیدائش اور والدین

ماہ ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کی دسویں تاریخ مطابق ۹ دسمبر ۱۸۷۵ء جمہرات کے دن پیدا ہوئے، تاریخ ولادت ”بے عدیل و نظیر“ ہے۔ حسب نسب کے لحاظ سے خاندان غفران مآب کے تابندہ ستارے اور صحیح معنوں میں کوکب دُڑی تھے۔ باپ سید العلماء سید محمد ابراہیم صاحب ملقب بہ فردوس مکان مجتہد تھے، جن کی تقلید میں سارا ہندوستان تھا۔ ماں زبدۃ العلماء معین المؤمنین آیۃ اللہ سید علی نقی صاحب قبلہ مرحوم المتوفی ۱۳۰۹ھ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ نانا آخری شاہ اودھ کے عالم معتمد تھے۔ ان کی مسجد اور پختہ امام باڑہ چوک سے وکٹوریہ اسٹریٹ ہو کر ترکاری منڈی جانے والے کو سیدھے ہاتھ کی طرف پڑتا ہے۔ زبان اردو کے آفتاب اسد اللہ خاں غالب دہلوی المتوفی ۱۲۸۵ھ کو موصوف ہی نے شاہ اودھ کی خدمت میں باریاب کرنے کی کوشش کی تھی۔ ”اردوئے معلّٰی“ (۱) میں اس کا ذکر ہے۔ ایسے صاحبان کمال ماں باپ کی اولاد جس قدر ناز و نعم میں پلے اس کا فیصلہ ناظرین کے ذوق سلیم پر چھوڑا جاتا ہے۔ باعمل علماء کی اولاد عموماً نحیف و زار ہوتی ہے۔ آپ کی صحت ابتدائے نشوونما میں خراب رہتی تھی۔ زندگی کا آغاز پرہیز سے ہوا، کانٹے میں تول کر غذا ملتی تھی۔ بات بات پر انگریزی دور حکومت کے معالج ڈاکٹر ناصر علی اور حکیم شیخ علی محمد مرحوم کی دوا ہوتی تھی مگر بایں ہمہ تعلیم میں کوتاہی نہیں ہوئی۔ ایک لاکھ مقلدین جس کے

(اردوئے معلّٰی مطبع مجتبائی دہلی، ۲۸۶ و ۲۸۹ چھاپہ ۱۸۹۹ء)

جینے کا قصد ہے تو سکوں کو نہ کر تلاش
یہ زندگی حوادث پیہم کا نام ہے
یادش بخیر! آج جس بزرگ کی زندگی کا تذکرہ
مقصود ہے اس کی ذات گرامی اتنے کمالات اور
فضیلتوں کا مجموعہ ہے جن کی معرفت نہ تصریح کے لئے
ایک دفتر کی ضرورت ہے اس لئے اس فرض کو کسی اور
وقت کے لئے چھوڑ کر میں روزانہ زندگی کے چند ایسے
کوائف کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو ان کی علمی زندگی اور
ان کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں اور اوقاف کے متعلق
ان کے بعض اصولوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

مال خدا کی حفاظت کے سلسلہ میں علامہ
موصوف کے مساعی اپنے بزرگوں میں کسی سے کم نہیں
ہیں غل غپاڑا، پروپیگنڈا، ان کی مقدس سیرت میں نہیں
تھا نصرت دین ان کی زندگی کا مقصد اعظم تھا آج سے
چالیس برس پہلے تحصیل دنیا اور جاہ طلبی کے سلسلہ میں
وقت کے طوفان نے بہت سے قدم جو استوار سمجھے
جاتے تھے ہلا دیئے لیکن آپ کے آبائی طرز زندگی اور
اصول میں سرمو فرق نہ آیا ایسے آدمی دنیا میں کم
میں گے جن کے قول اور فعل ہم آہنگ ہوں۔

(سید آفتاب حسین کاظمی، بخاری ٹولہ، لکھنؤ)

حلقہ عقیدت میں ہوں اس کی مصروفیت کا کیا حال ہوگا اور پھر حج و زیارت کی سفری زندگی فردوس مکان نے اولاد کو عراق و ایران کی زیارتوں میں بھی ساتھ رکھا اور سفر و حضر میں تحصیل علم جاری رہی۔

بچپن

ابتدائی تعلیم صرف ونجو مولوی میر حسن علی صاحب مرحوم کے روبرو اور پھر تقدس مآب جناب مولوی سید میر صاحب مغفور سے آغاز طالب علمی میں پڑھا، فلسفہ و حکمت میں مولوی گلشن علی صاحب استاد تھے، ناصر الدین شاہ قاجار تاجدار ایران نے جب فردوس مکان کو قصر شاہی طہران میں دعوت دی اور چھ گھوڑوں کی گاڑی امین السلطنت لے کر آئے، اس وقت بھی آپ والد علام کے ساتھ تھے۔ افسوس ہے کہ پورے پندرہ سال کے ہونے نہ پائے تھے کہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ کو باپ کا سایہ سر سے اٹھا۔ فردوس مکان کی زندگی میں استعداد علمی اس قدر ہو چکی تھی کہ ان کی آخری تالیف تفسیر ینابیع الانوار کا اصل سے مقابلہ کرتے اور عبارت پڑھنے میں روز ایک امتحان کا سامنا ہوتا تھا۔ یہ لفظ اس طرح کیوں پڑھی؟ فلاں لفظ کو حالت جر میں کیوں قرار دیا؟ وغیرہ وغیرہ، استادانہ تادیب کی صبر آزمائی ختم ہوتے تھے تیزی کی تازہ مصیبت سر پر آئی۔

قائم مقامی اوقاف کا انتظام

جناب فردوس مکان نے اولاد کے کمسن ہونے سے اپنے سفر زیارت میں مسند اجتہاد کی اہم ذمہ داریوں کو محسوس کر کے اپنے سگے بہنوئی عماد العلماء جناب سید مصطفیٰ عرف میر آغا صاحب قبلہ کو نومبر ۱۸۸۱ء میں رجسٹری شدہ وصیت نامہ کے ذریعہ قائم مقام کیا اور لکھ دیا کہ اگر میں اس سفر سے زندہ واپس نہ ہوں تو میری اولاد کو درجہ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد امام

باڑہ ممتاز العلماء و مسجد تحسین علی خاں اور مختلف رؤسا کے دیئے ہوئے پرائیسری نوٹ وغیرہ، تمام اوقاف سپرد کر دیئے جائیں اور وہ جانشین تصور کیا جائے۔ میر آغا صاحب قبلہ قائم مقامی کی منزل پر آئے۔ ان کی فقہی قابلیت اور جمعہ و جماعت سے پبلک روشناس ہوئی اور قوم شیعہ ان کو فردوس مکان کا نائب سمجھتی رہی۔ زندگی ہوتی ہے تو مسافر کو سوس کی راہ طے کر کے پلٹ آتا ہے۔ شمس العلماء سید محمد ابراہیم صاحب قبلہ زیارتیں کر کے آگئے اور عہدہ اپنی جگہ واپس ہوا۔ مگر اس عرصہ میں جناب کی صحت خراب ہو گئی اور اب ارادہ کیا کہ عماد العلماء کو مابعد کے لئے قائم مقام کر دیں۔ انہوں نے منصب کی نزاکت سے انکار کر دیا۔ اس وقت آپ نے اپنی سوتیلی بہن کے شوہر حجۃ الاسلام سید ابوالحسن عرف ابوصاحب قبلہ کو بتاریخ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ پہلے وصیت نامہ کی شرطوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نائب بنا دیا۔ عقیدت کیش دنیا چشم وابرہ کے اشارہ پر ادھر ڈھل گئی مگر دوسرے وصیت نامہ کے بعد فردوس مکان مہینہ بھر زندہ رہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ خاندان اجتہاد باعمل مجتہدین سے چھلک رہا ہے دولت، ثروت، مرجعیت خدا کی دی ہوئی ہر نعمت خاندان میں موجود ہے، اولاد وغفران مآب کے نمودار افراد نے آپ کو باپ کا قائم مقام کیا اور تکمیل کا فریضہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ یہ ملحوظ خاطر رہے کہ فردوس مکان کی آخری بیماری سے مسجد آصفی کا جمعہ عماد العلماء پڑھاتے تھے۔ بدستور امامت ان سے وابستہ رہی اور مسجد تحسین اور امامباڑہ ممتاز العلماء اور کتب خانہ پر اولاد کو جو اختیارات حاصل تھے وہ اپنی جگہ قائم رہے۔ کتب خانہ کے داروغہ سید حسن نامی ایک مرد شریف تھے جنھوں نے اپنا آقا زادہ سمجھتے ہوئے ذمہ دار لیے سبکدوش ہو کر ۲۲ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ کو کتب خانہ کا

چارچ دے دیا۔

مزاج میں غصہ تھا، لیکن کیا آفتاب میں بایں ضیا گستری اور ماہتاب میں بایں نور افشانی داغ نہیں ہوتے، دوسرے داروغہ (جو بڑے گاؤں ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے) سے ناراض ہو گئے اور تنگ نظری پر جھڑک دیا، اس نے شاہی فرامین، ثبوت کے کاغذات، لندن کے سربراہ آردہ حکام کی چٹھیاں اور دفتر فردوس مکان کے چوٹی پر کی مسلیں غائب کر دیں اور جذبہ انتقام میں ورثہ کو آپ کے خلاف مقدمہ بازی پر تیار کیا۔

شادی

اولاد جناب غفران مآب علیہ الرحمہ کی نسل میں نجیب الطرفین طبقہ کی شادیاں عموماً وطن ہی میں ہوتی تھیں، جہاں شہر کا نسلی اختلاط نہ تھا، چنانچہ جناب فردوس مکان اپنی حیات ہی میں میر عابد علی صاحب خلف میر ظہور علی صاحب مرحوم و مغفور زمیندار باسن ٹولہ، رائے بریلی، کی دختر نیک اختر سے پیام دے چکے تھے، جو آپ کی وفات کے بعد خانہ آبادی کی صورت میں پورا ہوا۔ اس خاندان میں بڑے بڑے ادیب اور ملک کے سچے خادم، آزادی کے حامی، قاضی میر ہاشم علی صاحب مرحوم ایسی فردیں موجود تھیں جو نصیر آباد اور جائس اصلی مرکز سے شہر میں آکر بسے تھے۔ کچہری، اسپتال، تارگھر اور معاشرتی زندگی نے دیہات چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ رائے بریلی وہی بستی ہے جس کو سلطان ابراہیم^(۱) شرقی اول نے بھرقوم کو قلعہ قمع کر کے جنگل کٹوا کر آباد کیا تھا، قلعہ کا پھانک اسی آثار قدیمہ کا نمونہ اب بھی موجود ہے۔

(۱) ہٹریکل الہم آف اودھ ص ۷۷ طبع نول کشور

تکمیل علم

ملاذ العلماء سید ابوالحسن عرف بچھن صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۰۸ھ وہ پیکر علم و وقار تھے کہ جب کسی مجلس میں پچھے کپڑے پہنے ہوئے تشریف لے آتے تھے تو ذاکری شروع ہونے پر سامعین سے ”خاموش“ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی اور مجمع دم بخود ہو جاتا تھا۔ بحر العلوم سید محمد حسین عرف علّٰن صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۲۵ھ سیرت ائمہ کے مطابق گھوڑے پر نکلتے تھے۔ تاج العلماء سید علی محمد صاحب المتوفی ۱۳۱۲ھ منصب قائم مقامی کو بھائیوں پر چھوڑ کر ابوذر و سلمان کی زندگی اور جہاد قلم میں مصروف تھے۔ یہ سب حضرات آپ کے چچا تھے ان میں سے ایک دوسرے سے بہتر تھا۔ درہنیم سمجھ کر سب نے پڑھانے میں جان لڑادی اور بزرگوں نے جو خلعت قائم مقامی بلوغ سے پہلے پہنایا تھا، اس کا جامہ زیب کر دیا۔ عماد العلماء سے بھی پڑھا اور جناب قدوة العلماء اور کہف العلماء آپ کے شریک جماعت تھے۔ مگر زیادہ فیوض بحر العلوم سے حاصل کئے اور ان کے توجہات خصوصی کے آپ مرکز ہوتے جارہے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں شفیق استاد نے قوت استنباط دریافت کرنے کے لئے نماز جمعہ کے موضوع پر رسالہ لکھنے کا حکم دیا اور آپ نے فقہائے شیعہ کے تمام زریں خیالات محققانہ حیثیت سے جمع کر کے اپنی رائے پر کتابچہ کو ختم کیا۔ قوت اجتہاد حاصل ہونے پر بھی تمام عمر اجتہاد نہیں کیا اور نہ اپنے کو مجتہد کہلوا یا۔

نصرت دین میں اشتغال

جس ماحول میں پرورش ہوینم تھی، وہ طبعیت ثانیہ تھی۔ تکلف اور تصنع سے نفرت تھی، حرص و ہوا کی قید سے آزاد تھے۔ شوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ساری ساری رات جاگتے تھے۔ بڑے بڑے ترغیبات بھی ان کی توجہ کو کتاب کی جانب

عادتیں اور طرز زندگی

ایک علمی ہستی کو اس کے ہم چشم جتنے خطابات دے سکتے ہیں وہ تقریباً کل آپ کی ذات میں جمع تھے لیکن دستار علم میں سرمایہ داری کی کلنی نہ تھی۔ وقف حسین آباد مبارک سے جو سورویہ ماہوار (مشاہرہ) آتا تھا، وہ حصہ رسد خود اپنی ماں اور سوتیلی ماں اور بھائی بہن پر بانٹ دیتے تھے۔ بیشک منصب کے احترام میں پاکی پر نکلتے تھے اور اساتذہ کی خدمت میں بھی پیادہ نہیں گئے۔ آبائی وقار کو قائم رکھا، مگر ذاتی زندگی بہت معمولی خرچ میں بسر کی۔ تاحیات ایک وقت کھانا کھایا۔ عمر بھر کبھی ناشتہ نہیں کیا، کڑکڑاتے جاڑوں میں بھی چائے نہیں پی، سال بھر میں دو ایک مرتبہ چائے استعمال ہوتی تھی، حقہ صرف صبح کو پیتے تھے، ماہ رمضان میں یہ پابندی بھی ہٹ جاتی تھی، سحر کو کبھی غذا نہیں کی۔ کسی کے یہاں کبھی کھانا نہیں کھایا۔ بڑے بڑے شہزادوں کو آرزو تھی کہ دسترخوان پر بیٹھ جائیں۔ ایک مرتبہ صرف مولوی عبدالرحیم کلیم کے یہاں کھانا نوش کیا جو لکھنؤ بزم ادب کی بھجتی ہوئی شمع تھے۔ ان کا ذکر دیوانی کلیات ظریف ص ۸۹ میں ہے۔

بہانیوں کے ساتھ طرز عمل

اولاد اکبر ہونے کی وجہ سے بہانیوں پر پدرانہ شفقت تھی اور تعلیم میں بھی خود دلچسپی لی، سوتیلے بھائی علامہ ہندی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور المتوفی ۱۳۵۵ھ کو مواعظ کے مسودے ماہ رمضان میں دے کر علمی مدد پہنچائی۔ تاحیات تنخواہ بذریعہ منی آرڈر پرورش کے لئے بھیجتے رہے۔ چھوٹے بھائی حجۃ الاسلام فقیہ زمن مولانا سید ابوالحسن صاحب کو ابتدائی درس دیا۔ درجہ فضیلت پر پہنچنے کے بعد پیشمازی کا اجازہ عطا کیا۔ اس اجازہ میں ”انہی و تلمیذی“ کی لفظ موجود ہے، لیکن ان

سے ہٹانے میں ناکام رہتے تھے۔ شوق مطالعہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ جہاد قلم شروع کیا۔

(۱) صلوٰۃ وسطیٰ کی تفسیر عام فہم اردو میں لکھی اور غالباً یہی پہلی تالیف ہے۔ اساتذہ کی طرف سے حوصلہ فرسائی کے جتنے طریقے ہو سکتے تھے، وہ سب برتے گئے۔ (۲) تفسیر سورۃ حمد و سورۃ یوسف پر قلم اٹھایا اور اردو زبان کی دو ضخیم جلدوں میں یہ قرآنی خدمت انجام پائی۔ (۳) امتحانات حضرت امیر المؤمنینؑ حدیث خصال کا اردو ترجمہ کیا۔

(۴) بحار الانوار کتاب السماء والعالَم کے ترجمہ پر بھی توجہ فرمائی تھی جس کے پاشاں اور متفرق اوراق موجود ہیں۔ زبدۃ الاصول اور معالم الاصول کا بھی عام فہم ترجمہ کیا اور صدری علوم، تحقیقی موشگافیاں یکجا کر دیں۔ ابتدائی طلبہ کی تحریروں میں غلط املا دیکھ کر صنم آمد، لکھ کر اردو ادب پر احسان کیا۔ میزان الصرف سے شرح لمعہ تک درس نظامی کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ماہ رمضان میں مسجد تحسین پر جو موقع فرماتے تھے، وہ ایک شب کی کتب بینی میں، پہلے لغات کا حل، پھر رجال سے راویوں کے ناموں کی تفتیش، تفسیری نکات کے بعد فضائل کے جملوں اور مخالفین آل محمدؐ کی رد پر بیان ختم ہوتا تھا۔ یہ ذخیرہ کئی جلدوں میں پہنچ گیا، اپنے عہد کے فاضل اطباء اور حاذق حکیموں کے مجربات جمع کئے اور طب یونانی میں ایک خاص الخاص ذخیرہ بڑھایا۔ میر فضل شاہ اور حاجی فضل علی دو کاتب پسندیدہ کتابیں لکھتے تھے۔ ۱۳۱۰ھ تک اہم مصروفیت دیکھ کر یاران طریقت نے مقدمات میں الجھاد یا اور اپنی عمر کی بہت کم بہاریں دیکھنے پائے تھے کہ عدالت کا دروازہ دیکھنا پڑا۔

کی میٹر العقول ذہانت نے بھائی کی تعلیم پر اکتفاء ہونے نہ دی اور خاندان کے مرقومہ بالا اساتذہ سے معقول و منقول میں وہ استعداد پیدا کی جس کے جوہر ۱۳۲۷ھ سے پانچ برس تک نجف کی مقدس زمین پر چمکتے رہے اور حوزہ علمیہ سے منتخب روزگار ہو کر نکلے اور مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی پرنسپل کے عہدہ پر آخر تک برقرار رہے۔

مقدمات وقف

فردوس مکان کے آخری وصی جناب ابو صاحب قبلہ مجتہد مرحوم ایک پیکر زہد و تقویٰ دنیا سے کنارہ کش انسان تھے اور وصیت کے بعد سے آخر تک خاموش رہے۔ ان کا طرز عمل وہی تھا جو اس وقت ان کی اولاد امجاد کا ہے، شوق زیارت میں سفر عراق کیا اور ان کی پاکیزہ مٹی ۱۳۱۳ھ میں خاک شفاء کے ذرات میں مل گئی اور عراق سے خبر آئی کہ مرحوم نے وقف ممتاز العلماء کا نگران اپنی اولاد کو کیا۔ اس تازہ خبر سے قانونی آگ بھڑک اٹھی اور ۹ جون ۱۸۹۶ء سے بحیثیت مدعی علیہ آپ ۸ سال تک چارہ جوئی کرتے رہے۔ نواب مولوی سید مہدی حسن صاحب رضوی طرف مخالف سے پیروکار تھے۔ آخر کار ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء صلح نامہ ہو جانے سے یہ جنگ ختم تو نہیں ہوئی، جذبات افسردہ ہوئے۔ حجۃ الاسلام مولانا سید محمد تقی صاحب قبلہ آبائی جائداد پر متصرف ہوئے اور وقف کے انتظام عہد ممتاز العلماء سے جس طرح جاری تھے ہوتے رہے۔ تیرہ سو برس سے تجربہ ہو چکا ہے کہ صلح نامہ کا نام ہے، اس وقت تو مصالحہ ہوا مگر سیاست پرور ماحول نے آپ کے خلاف خود خاندان میں اختلاف پیدا کر دیا۔

معاصرین سے برتاؤ

ایک عالم کی سیرت میں اس وقت یہ سوال بڑی

اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا طرز عمل آپس میں کیسا تھا۔ رقابت اور حسد کا آپ کی سیرت میں کہیں پتہ نہ تھا۔ ہم عصر طبقہ کو غیر معمولی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، کسی کے مقصد میں سدّ راہ ہونا، کسی کی قرارداد کو ٹھیس لگانا گناہ سمجھتے تھے، آل انڈیا شیعہ کانفرنس جب صدر الصدور کی صورت میں تھی، جناب قدوة العلماء کے ایما سے اس کے جلسوں میں شرکت کی۔ جناب عماد العلماء المتوفی ۱۳۲۳ھ کی اندوہناک رحلت پر ان کے جانشین قدوة العلماء طاب ثراہ کا ایک گروہ مخالف ہو گیا اور اُس وقت کے جرائد میں یہ بحث اٹھائی گئی کہ شیعہ یان ہند کس کی تقلید کریں۔ اس پر آشوب دور میں آپ نے جناب قدوة العلماء کو مکتبہ ممتاز العلماء کے فقہیات زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیج کر مدد دی اور جواہر الکلام کا دورہ دلائل الاحکام، کشف الغطاء، تحویر الاحکام، علمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ۲۶ جلدیں پیش کیں جو ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ کو واپس ہوئیں۔ جناب قدوة العلماء کی علمی زندگی کا کارنامہ عماد الاسلام کی نشر و اشاعت میں بھی آپ کا ہاتھ تھا۔ عماد الاسلام کا صحیح نسخہ کسی دوسرے کتب خانہ میں نہ تھا، اپنے مخطوطات کو عزیز نہ کیا۔ مسجد آصفی کی نماز عید الفطر کے موقع پر تاحیات آپ مسجد تحسین کا فرش اپنے کرایہ سے بھیجتے رہے۔ مولانا سید ظہور الحسن صاحب قبلہ المتوفی ۱۳۵۷ھ کو کتب خانہ ممتاز العلماء کی ایک کتاب غیر معمولی پسند آئی۔ آپ نے ممدوح کے لئے خود اس کی کاپی کی اور اس وقت عزیز کے صرف ہونے کو سعادت سمجھا۔ آپ کی تالیفات میں کتاب الوقف عربی اردو بڑی اہم تالیف ہے۔

مشاغل

ماہ رمضان کے متبرک ایام میں ۲ بجے دن کو مسجد

طرف سے مقدمات کی پیروی کرتے تھے، اور اچل بہاری لال حساب لکھتے تھے۔ آپ کو کوئی تعصب نہ تھا۔

جہاد قلم کا آخری دور

ناگزیر مصائب کی موجودگی میں آپ کو علمی خدمتوں کا پھر موقع ملا۔ اولاد کی تعلیم پر خصوصی توجہ کی اور مولانا سید میرن صاحب قبلہ نے اپنے بڑے بیٹے کو اجتہاد کی منزلوں تک پہنچا دیا۔ آغاز میں قلمی جہاد کا جو خاکہ بنا چکے تھے، اس پر پھر متوجہ ہوئے۔ دوسری مرتبہ تفسیر سورہ حمد پر بڑے شرح و بسط سے قلم اٹھایا اور مسودہ تفسیر زیر تالیف چھوڑا۔ حدیث خصال (امتحانات جناب امیرؒ) کے پہلے ترجمہ کو ناپسند قرار دیتے ہوئے دوسرا ترجمہ کیا۔ دعا میں ایک عربی معرکہ آرا کتاب ظہیر اللاجین لکھی اور قدیم طرز نگارش کی بناء پر خاندان شاہی کے احترام میں پرنس مرزا اٹریا قدر بہادر مرحوم المتوفی ۱۹۳۱ء کے نام پر معنون کیا، مگر شاہزادہ صاحب کو مطلق خبر نہ کی۔ اس عرصہ میں چھوٹے بیٹے آغا مہدی رضوی کی استعداد علمی کو اس حد تک پہنچا دیا کہ ظہیر اللاجین کی ترتیب میں دعاؤں کے انتخاب، اسناد کی تلاش، ماخذ کی جانچ پڑتال میں برابر سے مدد ملی اور بیٹے کا سلیقہ تالیف دیکھ کر دوسری کتاب زبان عربی و فارسی (دعاؤں میں) صاحبزادہ موصوف کے ہاتھ سے تیار کرادی۔ مکتبہ ممتاز العلماء میں حروف تہجی کی ترتیب سے کتاب میں محفوظ کی جاتی تھیں۔ ظ کی ردیف میں بہت کم تالیفات تھے اس لئے اپنی کتاب کا ظہیر اللاجین نام رکھا۔ اس صحیفہ کی تدوین میں لائق فرزند نے ابراہیم کفعمی کی البلد الامین کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا تھا، اس لئے اپنی کتاب کا البلد الطیب دوسرا نام قرآنی لہجہ میں قرار دیا۔ اس ذہانت سے آپ بہت خوش ہوئے۔

تحسین پر نماز ظہرین پڑھاتے تھے۔ موعظہ مدت سے ترک ہو گیا تھا اور اگر کبھی وعظ کی نوبت آئی تو اسلوب بیان، ایک لہجہ تھا جس کی مثال اب نہیں ملتی اور نہ الفاظ میں اس پر تبصرہ ہو سکتا ہے۔ مسجد تحسین سے حسین آباد دوسری نماز ظہرین کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور شہر کی عام مسجدوں میں مغربین کے لئے کبھی عام لوگ ان کی زیارت نہ کر سکے۔ بانسی کی مسجد میں تالاب پر اور مسجد میر فضل علی مصاحب گنج میں کبھی تشریف لے گئے تو مہتمم جماعت کے فخر کے لئے کافی ہو گیا۔ آخری نماز عید دارا سطوت مرحوم کی بارہ دری گنگنی شوکل کے تالاب پر پڑھائی اور آخری موعظہ آیہ انہی جاعل فی الازض خلیفۃ پر ہوا۔

عزیزوں نے دعوے دائر کر دئے۔ نہایت سخت اور بیدردانہ اتہامات لگائے گئے۔ شیعہ کانفرنس سے بدظمی کا رزلوشن پاس ہوا، لیکن ان کی عالی ظرفی نے کبھی گوارا نہ کیا کہ دشنام کا جواب دشنام سے دے۔ ہمعصر طبقہ کی طعنہ زنی، سیاسی لیڈروں کے خندہائے تحقیر، اساطین علم و فضل کا دست تعدی ان میں کوئی ایسی شے نہ تھی جو جادہ تحمل سے پائے عمل کو منحرف کر سکتی۔ وہ اپنے مخالفین کے محاسن کا اعتراف اُسی طرح کرتے رہے جیسے کوئی اپنے ہمدرد دوست کا کرتا ہے۔ رشتہ داروں کی یلغار کوئی زیادہ اہمیت نہ رکھتی تھی۔ کوئی مجسمہ جہالت ہو کر دعوائے اعلیت کر رہا تھا۔ کسی کا یہ بیان تھا کہ قفی مکان میری ساس کے مہر میں ہے، حالانکہ ممتاز العلماء نے رجسٹری شدہ وصیت نامہ میں پہلے ہی ظاہر فرما دیا تھا کہ میں نے کنیزوں کو آزاد کر کے ان سے عقد منقطع کیا ہے اور پانچ پانچ روپیہ سے زیادہ کسی کا مہر نہیں ہے۔ یہ خانہ جنگی خیر اور خندق کی طرح کوئی بڑی لڑائی تو تھی نہیں۔ ایسے نقض امن کو سیرت نگار سر یہ کی لفظ سے یاد کرتا ہے۔ سید ہدایت علی بن موسیٰ رضا رامپوری آپ کی

شہرہ آفاق مجلس ہٹا کر گول دروازہ میں منتقل ہوئیں۔ ساری قوم مظلومیت کا کلمہ پڑھتی تھی۔ اب مالی حالت ویسی نہ تھی جو مقدمہ بازی کے مصارف کے بارگراں کے متحمل ہو سکتے، یہ دیکھ کر چند ہمدرد اصحاب نے دستِ اعانت بڑھایا اور اس باموقع امداد کو شکریہ کے ساتھ قبول کر کے اس کے سہارے پر پریوی کونسل میں اپیل کی، لشکر افکار نے سلطنت جسم پر تسلط حاصل کیا اور آپ کو یقین تھا کہ منصب سے علیحدہ ہونے کے ساتھ روح بھی اپنے مستقر سے خارج البلد ہو جائے گی۔

پیکانہ حیات کو لبریز سمجھ کر مرنے پر کمر باندھی۔ جناب مولانا میرن صاحب قبلہ کو تکمیل علم کے لئے نجف اشرف بھیجا، مفارقت اولاد کے لئے آمادہ ہوئے۔ اب آپ کے پاس کیا تھا؟ نہ مسجد، نہ امام باڑہ و کتب خانہ۔ وہ ذاتی کتابیں جو ہر وقت مطالعہ میں رہتی تھیں اور بعض خاندانی مخطوطات، اپنے تمام تالیفات، خاندانی تبرکات سید آغا مہدی رضوی کو سپرد کئے۔

انتقال

اکبر نے سنا ہے اہل عزت سے یہی جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا مرنا ہر انسان کے لئے برحق ہے اور خاصانِ خدا موت سے نہیں ڈرتے۔ مقدمہ وقف ختم ہونے کے بعد آپ کی طاقت گھٹنا شروع ہوئی۔ ایامِ عزائمیشہ پیام موت سے کم نہ ہوتے تھے۔ بقرعید کا چاند ہوا۔ محرم کی تیاری، امام باڑہ کی چہل پہل نظروں میں پھرنے لگی۔ پچھلے دو برس آپ ریاست گوالیار اور بمبئی کا محرم دیکھنے ہجرت کر گئے تھے۔ اس سال کوئی پروگرام نہ تھا۔ ۲۳ رذی الحجہ کو چھوٹے بیٹے سید آغا مہدی رضوی کو بخار آ گیا۔ آپ تیمارداری میں مصروف

جہادِ قلم کے ساتھ درس و تدریس، ذاکرین کو حدیث خوانی پر تیار کرنا، حالانکہ خود روضہ خوان نہ تھے۔ باطل سے مناظرے، دعوتِ حق زندگی کے وہ مشاغل تھے جس میں آپ ہمیشہ منہمک رہے۔ ۱۹۰۷ء کی فرقہ وارانہ کشمکش میں کتنے آدمیوں کو درگاہ حضرت عباسؑ لے جا کر شیعہ کیا۔ مخالف عنصر دیمک کی طرح رفتہ رفتہ زور پکڑ رہا تھا۔ آپ کے ساتھ نواب آغا ابو صاحب مرحوم المتوفی ۱۳۳۶ھ بانی عمارت سلطان المدارس کو جو محبت و عقیدت تھی اس سے زیادہ نوع انسان کے دو افراد میں ہونا مشکل ہے۔ وہ ہر مصیبت میں پشت پناہ رہتے تھے۔ ادھر انھوں نے رحلت کی، ادھر مخالفین کے سلخ خانہ کا آخری حربہ اس طرح استعمال ہوا، ڈپٹی کمشنر کو دفعہ ۹۲ ضابطہ دیوانی کی رو سے مدعی بنا کر وقف پر مقدمہ دائر ہوا۔ جو آپ کے گھرانے کے نمک خوار تھے، طمع زر میں گواہ بن کر سامنے آئے، ماہ رمضان کے برکت آفریں دنوں میں بحالت صوم ہفتوں اظہار ہوا اور شہادت کو ماہ صیام ختم ہونے پر ملتوی نہیں کیا گیا۔ آپ بہت سہولت سے جواب دیتے رہے۔ عدالت نے پوچھا: ”اگر کمیٹی بنا دی جائے تو آپ بحیثیت ممبر کام کریں گے۔“ فرمایا: ”نہیں، وقف خاص میں جمہوریت غلط ہے۔“ کہا: ”اگر ممبر قرار دے کر آپ کے بھائی کے سپرد ہو تو ٹھیک ہے“ فرمایا: ”نہیں۔“ کہا: ”آپ کے بیٹے کو ٹرسٹی بنا دیا جائے“ کہا: ”نہیں۔“ شریعت کے جادہ سے قدم نہ ہٹے اور وقف خاص کو عام نہ کیا۔ اپنے جامہ عمل کو دنیا سازی خوشامد کی آلودگی سے تمام عمر پاک رکھا۔ اس مقدمہ کا نتیجہ مسٹر عبدالغنی سویم ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج اور پھر چیف کورٹ کی عدالت سے شکست کی صورت میں ظاہر ہوا مگر یہ انہزام وہ تھا کہ ہمہ گیر ہمدردی حاصل کر لی۔ دشمن بھی دوست بن گئے اور امام باڑہ کی

ہوئے اور خبر نہ تھی کہ بیمار سے پہلے تیماردار کو دنیا چھوڑنا پڑے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی بیمار ہو گئے، بخار آیا۔ حکیم مئے آغا صاحب مشہور طبیب نے دست آور دوا دی۔ تپ دور ہو گئی، تھوڑی حرارت رہی، مگر اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہ تھے۔ شریعت کدہ میں امام باڑہ کے رخ پر جو کمرہ تھا، وہاں آرام کے لئے پہنچا دیا۔ اس عرصہ میں محرم کا چاند ہوا پہلی اور دوسری تاریخ گزری، تیسری شب کو آدھی رات کے بعد بیدار ہوئے، دروازہ کھول کر امام باڑہ کی زیارت کا ارادہ کیا اور بند دروازے اندھیرا دیکھ کر کلیجہ شق ہو گیا۔

مقام ہو کا ہے جس جا نگاہ پڑتی ہے

حضور کے در دولت پہ خاک اُڑتی ہے

اپنے باغ کی بربادی تحمل سے باہر ہو گئی۔ کھڑے قد زمین پر گرے، بدن ٹھنڈا ہو گیا، بوڑھی ماں اور گھر کی عورتوں نے اٹھایا، کمرہ سے باہر کے دالان میں لائے۔ صبح ہوتے ہی شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی کہ جناب ویران امام باڑہ دیکھ کر غش کر گئے۔ خلق خدا اُمید آئی حکیم احمد حسن صاحب مرحوم نے پیروں کی نبضیں دیکھیں۔ ڈاکٹر عبدالحمید آئے مگر جسم کی ٹھنڈک دور نہ ہوئی، تیسری کا مٹھوس دن یوں ہی اُمید و بیم میں گذرا۔ چوتھی کو غلط خبر مشہور ہوئی کہ انتقال ہو گیا۔ اس وقت تو یہ خبر صحیح نہ تھی مگر ۲۴ گھنٹہ کے بعد پانچویں شب ۳ بجے رات کو صبر و شکیب کا ماہ کامل غروب ہو گیا۔ ٹھیک اسی وقت تیرہ دن کے بعد سید آغا مہدی کی تپ محرقہ بھی اُتری اور اندازہ ہوا کہ جناب مرحوم کے درجات بلند کرنے کی یہ ایک صورت تھی جو قدرت کی طرف سے ہوئی اور وقت آخر اولاد میں کوئی بالیں پر نہ تھا۔ بڑے صاحبزادے عراق میں اور چھوٹے بستر مرض پر۔ بخار اُترنے سے آپ اتنا کمزور ہو گئے کہ جنازہ کے ساتھ پیدل نہ

جاسکے۔ قوم اور تمام اہل شہر کی خصوصی ہمدردی اس وقت آپ کے ساتھ تھی۔ جلد سے جلد جنازہ اٹھایا۔ جس وقت صندوق میں رکھ کر آخری منزل پر لے چلے تو جسم میت پر کھڑے پلنگ اور باندوں کے نشان تھے۔ ۴۸ سال ایک ماہ چودہ روز کی عمر میں دنیا چھوڑی اور تقریباً بیسی سن وسال آپ کے والد کا بھی تھا۔ روساء، امراء، شاہزادگان، عام مومنین کا ہجوم تھا۔ برسات کا زمانہ ہونے سے غسل دریا پر نہ ہوا۔ پاٹا نالہ کے طہارت خانہ سے حسینہ غفران مآب میں دفن کے لئے لائے۔ متولیان امام باڑہ نے جگہ نہ ہونے کا عذر کیا اور امام باڑہ کے طول و عرض میں جگہ نہ دی۔ انقلاب زمانہ کی یہ بڑی عبرت خیز تصویر ہے کہ جو ماں باپ دونوں طرف سے غفران مآب کا چشم و چراغ تھا، اس کو اس مقدس زمین پر کہیں جگہ نہ ملی۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

حکیم سید محمد تقی عرف مہجن صاحب المتوفی ۱۳۵۱ھ خلف حکیم سید امیر حسین صاحب المتوفی ۱۳۵۱ھ پہلے مسجد کی اس اراضی پر جو وہ اپنے رشتہ داروں کے لئے قرار دے چکے تھے، جگہ دی زوال کے وقت یہ آفتاب کمال سپرد خاک ہوا۔

انتقال کے کئی روز گذرنے پر وصیت نامہ برآمد ہوا جس میں آپ نے وصیت فرمائی کہ حسین آباد مبارک کی شاہی مسجد میں بغرض امامت آغا مہدی رضوی کا تقرر ہو اور تنخواہ میں حسب دستور سابق ورثہ کو تحریر کے مطابق ماہوار دیا جائے۔

مدوح نے جناب مرحوم کی تیمارداری اور تجہیز و تکفین کے ابتدائی مصارف سے تقریب چہلم اور قبر پختہ ہونے کے وقت تک تمام اخراجات کا اپنے فکر و دماغ سے انتظام کیا اور یہ مسبب الاسباب کی نعمت تھی جو قابل تشکر و امتنان ہے۔

باقیات الصالحات:

آپ کے آثار باقیہ بھی قابل ذکر ہیں جو تلامذہ، اولاد، کتب خانہ، تالیفات وغیرہ کی صورت میں موجود ہیں۔

شاگرد:

ان محترم افراد میں جو آپ کے میکدہ علم کے جرمہ نوش تھے اولاد جناب غفران مآب کے علاوہ حسب ذیل افراد علم و ادب کے خدمت گزار چھوڑے۔

- (۱) تقدس مآب مولوی سید علی اکبر صاحب پیشماز کانپور، (۲) مولوی سید علی گوہر صاحب مرحوم ساکن پتلا غوث، ضلع اعظم گڑھ (۳) حکیم سید صفدر حسین چھپرا، ضلع سارن (۴) لسان الزمن مرزا الطاف حسین صاحب عالم مرحوم لکھنوی (۵) فخر الزکریں مرزا علی محمد صاحب مرحوم (خاتم الزکریں) لکھنوی (۶) مولوی حکیم سید محمود الحسن صاحب سہارنپوری (۷) جناب مولانا سید ثاقب حسین صاحب قبلہ امرہوی، پروفیسر جوہلی کالج لکھنؤ دامت معالیہ

علمی یادگار

سیرت علماء ہے کہ وہ حضرات تالیف و تصنیف سے جو وقت بچتا ہے کیا اب اور نادر کتابوں کی نقل کرتے ہیں آپ کے ہاتھ سے لکھی ہوئی مختلف علوم و فنون کی آٹھ کتابیں ہیں جو لمحات زندگی کے جائز صرف ہونے کا ثبوت ہیں۔

وقف ممتاز العلماء

جناب ممدوح کے خلاف خان بہادر نواب سید مہدی حسن صاحب المتوفی ۱۳۵۷ھ مقدمہ وقف میں کامیابی حاصل کرنے پر اس جائداد کا نام ”شیعہ ریلیف اینڈ چیئر ٹریبل ریلیف ٹرسٹ“ (Shia Religious & Charitable Relief Trust) قرار دیا اور انگریزیت نوازی نے واقفین

ایسے تارک دنیا کی رحلت کے وقت جو الْفَقْر فَخْرِی کی تصویر تھا آخری خدمتیں شایان شان کیونکر انجام پاتیں؟ یہ ایک سوال تھا، جن کو ان کی مظلومیت اور اولاد کی ہر دل عزیز نے خود حل کر دیا۔

عرصہ تک شہر میں فاتحہ خوانی کی مجلسیں ہوتی رہیں۔ بہ کثرت شعراء نے تاریخیں نظم کیں۔ دو قطعہ تاریخ درج ذیل ہیں:

قطعہ تاریخ جناب سید ظفر حسین عرف**وزن صاحب ظفر لکھنوی**

اک عزادار شہِ مظلوم نے
کی قضا ماہِ عزا میں آہ آہ
مثل میں اجداد کے سید تقی
عابد و زاہد تھے خالق ہے گواہ
پانچویں شب تھی قریب ختم جب
ایک رکن دیں نے لی جنت کی راہ
کر گئے تازہ غم شبیر کو
نائبِ شہنشاہِ عالی پناہ
لکھ دو ہجری میں ظفروں سالِ فوت
جان لی ہاں غم نے ان کی آج آہ
۱ ۲ ۳ ۴ ۵

حجۃ الاسلام مفتی اعظم مولانا سید محمد علی صاحب مرحوم المتوفی ۱۳۶۱ھ بھی اپنے مصرعہ تاریخ میں آپ کے محیر العقول مصائب کی طرف اشارہ کیا، مجلس چہلم میں جس وقت یہ مصرعہ پڑھا گیا تو ایک کہرام تھا ع

دردا کہ رفتہ سوئے جنان کشتہ محن
۲ ۲ ۹ ۱ ۶

کے ناموں پر پردہ ڈالا۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت

اوقاف پر قبضہ اپنے والد کے قائم مقام ہونے کے

لحاظ سے تھا اور حسب ذیل خدمات قابل غور ہیں:-

۱۔ ۲۹ سال آپ نے اس جد ائداد کو اپنے وقار اور

دیرینہ روایات کے مطابق رکھا، خانہ جنگی میں اپنی جائداد منقولہ

وغیرہ منقولہ کو بھینٹ چڑھا دیا جو حسابات عدالت میں داخل کئے

ان کو عدالت نے قبول کیا۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو مقدمہ ڈگری

ہوا اور ۱۰/۱۱ اپریل ۱۹۲۰ء تک جواب دہی کے سلسلہ میں علاوہ

ان رقوم کے جو اپنی جیب خاص کے دکھا کر عدالت میں داخل

کر چکے تھے ہم لملل المعہ ۱۲/۵ پائی کا بار برداشت کیا۔

۲۔ رجب ۱۳۲۱ھ میں ہتیا کی بارش میں امام باڑہ کا

پچھلا دالان مخدوش ہو گیا تو آپ نے مرزا بہادر محمد عباس علی

خاں مرحوم کو متوجہ کر کے نئے سرے سے تعمیر کیا۔ دو کانات

مسجد بازار چوک کا وہ حصہ جو چوٹی سقف کی صورت میں ہے

فردوس مکان نے آپ کے روپے سے بنوایا۔

۳۔ ۱۳۲۵ھ کے قبل و بعد جس سال محقق ہندی مولانا

سید محمد حسین صاحب المتوفی ۱۳۳۷ھ مجتہد مرحوم عشرہ کی مجلسیں

پڑھتے مجمع کی زیادتی سے صحن امام باڑہ کافی نہ ہوتا تھا اور اس

وقت چبوترہ دو ٹکڑوں میں تقسیم اور درمیان میں راستہ تھا۔ آپ

نے ایک کر دیا اور ماہ رمضان میں شبوں کی عزاداری اپنی

طرف سے بڑھائی۔ امام باڑہ کا سارا سامان از قسم فرش

وشامیانہ علم وغیرہ اپنی کوشش سے فراہم کیا اور شیعہ پبلک کو

زیادہ سے زیادہ موقع دیا کہ وہ مجلسیں منعقد کرے۔

۴۔ ۴ جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ اپنی ذاتی ۱۱۹ جلدیں

عربی و فارسی مخطوطات و مطبوعات مسٹر برن چیف سکرٹری

لفظیٹ گورنر یوپی کے کتب خانہ میں آنے کے موقع پر جو

لائبریری میں صاحب موصوف کے معائنہ کے لئے رکھی تھیں

وہ خدام وقف (کمیٹی) نے واپس نہیں کیں اور تاحال آپ کی

مہر و دستخط سے مزین کتب خانے میں موجود ہیں۔

۵۔ مسجد میں آب رسانی کوئیں کے ذریعہ ہوتی تھی

آپ نے پانی کا پمپ اپنے ابتدائی دور میں لگایا جو آج تک

موجود ہے۔

۶۔ عہد جناب ممتاز العلماء اور فردوس مکان کی جملہ

وقفی کتابیں اور امام باڑہ کا سامان از قسم فرش و ظروف سی و شامیانہ

و علم و تابوت و کجاوہ وغیرہ آپ کے ذاتی دو منزلہ پختہ مکان میں

۲۹ سال بلا کرایہ رہے اور گودام کی طرح یہ عمارت استعمال

وقف میں رہی اور اپنے وقف پر ایک پیسہ کا بار نہیں ڈالا۔ یہ

مکان اس وقت پچاس روپیہ ماہوار پر اٹھتا ہے۔ کمیٹی وقف نے

کتب خانہ اپنے قبضہ میں لانے کے بعد سے تاحال کرایہ کے

مکان واقع کٹرہ ابوتراب خاں میں رکھ کر صد ہارو پیسہ کا بار وقف

پر ڈالا اور جناب مرحوم کے ایثار سے سبق نہ لیا۔

آپ کے دوران انتظام میں آراضی باغ ممتاز العلماء

کے حصے بخرے نہیں ہوئے امام باڑہ میں آمد و رفت کے تین

دروازہ تھے جس میں شہر کے ہر حصے سے لاتعداد لوگ مجالس

میں شرکت کے لئے آتے تھے۔ اب بمشکل صدر دروازہ رہ گیا

جو وقف کے قبضہ میں نہیں ہے۔ پٹ اہل محلہ لے گئے، دو

دروازے بند ہو گئے اور دو دروازے امام باڑہ کے جو کشادگی

اور راحت بخش ہونے کے لحاظ سے نمایاں تھے، بند ہیں اور

مجلسوں میں موسم گرما کی، جس رہتا ہے۔ ضریح مبارک کا گنبد

شق اور باغ کی زمینیں کوڑا پڑ کر چبوترہ اور حدود صحن کو محو کر چکی

ہیں، برساتی پانی عمارت کی نیو میں مرتا ہے۔ درخت جو قبروں

پرسایہ کے لئے لگائے گئے تھے، کٹوا دیئے گئے امام باڑہ میں سامان عزائم ہونے سے قوم نے مجلسیں کرنا ترک کر دی ہیں۔ علماء کی قبروں پر اندھیرا اور دن کو غیر محفوظ دروازوں سے بکریاں اور جانور گذرتے ہیں۔ مسجد جو ایک تاریخی عمارت اور ۱۲۰۵ھ عہد نوابی کی یادگار ہے اور آثار قدیمہ سے جس حالت میں ہے اس کو اس طرف سے ہر گزرنے والا دیکھتا ہے۔ ممبر وقف کی تحریری اجازت سے مسجد تحسین کے دودر محفل تیرہ رجب کا سامان آرائش رکھ کر روک دیئے ہیں، جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے اور جماعت میں ماموین کو جگہ نہ ملنے کا شکوہ ہے۔ حمام بند کر کے موسم سرما میں پبلک کو سخت تکلیف پہنچانے کے ساتھ وقف کا سالانہ نقصان بھی کیا گیا۔ چھوٹی مسجد جو مسجد تحسین کے پہلو میں تھی منہدم ہو گئی۔ ملہ کی صورت میں ایک دیوار اور ٹیلہ باقی ہے اور امام باڑہ کٹ رہا جہاں گیر گیا۔ اس میں کچھ زمین پر دوسرے لوگ قابض ہو گئے، جو باقی ہیں اس پر بھی نہیں بندھ رہی ہیں۔ مقبرہ حکیم محمد علی کے ابھی کچھ آثار باقی ہیں اور عنقریب یہ بھی محو ہونے والا ہے۔ تحسین خورد کی مسجد واقع باورچی ٹولہ لکھنؤ، میں اہل محلہ کے چندہ سے افطار کا سامان ہوتا ہے اور نماز جماعت و پیش نماز کا وقف کی طرف سے کوئی انتظام نہیں ہے۔ کتب خانہ بڑی کسمپرسی میں ہے اور اس سے عام اہل علم اور طلبہ کوئی فائدہ اٹھا نہیں سکتے ہیں۔ امام باڑہ ممتاز العلماء کا کنواں بند ہو گیا جس کی وجہ سے مجلسوں میں پانی کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ یہ امر تحقیق طلب ہے کہ موجودہ ممبران کمیٹی کو سابق آنریری سکریٹری صاحب کے دفتر سے تمام حسابات مکمل حاصل ہوئے یا چند سال کے حسابات غائب تھے۔ مصلو کا فرش مسجد میں درجہ اول سے صحن کے آخر تک تھا جو صندوقوں میں معطل پڑا ہے اور عیدین

میں نمازیوں کی ضرورت کے مطابق نہیں ملتا۔

خاتمہ کلام

اگر صفحات میں گنجائش ہوتی تو وہ اوردو وظائف درج کرتا جو جناب مرحوم کے وظیفہ میں تھے، نظر باقتصار عام فائدہ کے لئے قرآن مجید کا ایک مخصوص استخارہ ہدیہ ناظرین ہے جو جناب مرحوم کے افادات سے ہے۔

فالنامہ قرآن

دل میں نیت کرے کہ فلاں کام انجام دوں میرے لئے بہتر ہوگا نیت کے بعد آیۃ الکرسی العلیٰ العظیم تک۔ پھر یہ آیت پڑھے: وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔ (سورہ انعام) پھر دس مرتبہ درود پڑھ کر یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ بَكْتَابِكَ تَفَالَّتْ وَبِكَ اَمْنَتْ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ فَاطْهَرْنِيْ مِنْ كِتَابِكَ الْمَكْنُونِ مَا فِيْ عِلْمِكَ الْمَخْزُوْنِ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔ قرآن مجید (خلوص نیت سے) کھولے اور دیکھے کہ داہنے ہاتھ کے صفحہ پر اللہ کتنے مرتبہ ہے جتنی بار اللہ لکھا ہوا دستیاب ہو اتنے ہی ورق الٹ کر پھراتی ہی سطریں نظر انداز کر کے آخری سطر میں جواب پائے گا۔ مثلاً زیر نظر ۵ مرتبہ اللہ کی لفظ تھی تو پانچ ورق اور پانچ سطروں کو نظر انداز کرنے کے بعد چھٹی سطر میں جواب ملے گا یہ استخارہ علامہ سید بن طاووس علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے اور شہید علیہ الرحمہ کے افادات میں اس کا تذکرہ ہے اس استخارے کے اسناد میں علماء کا یہ لکھنا کافی ہے فَمَا جَاءَ بَعْدَ ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْوُجْهِ اس کے بعد جو جواب ملے وہ وحی آموز ہے۔

دعائے نور کا جو عموماً میت کے کفن میں رکھی جاتی ہے احکام اموات کے باب میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس کا رواج کب سے ہوا۔ مرقومہ بالا تحریر کے بارے میں علماء کا ارشاد ہے کہ خاک تربت سے لکھی جائے اور صرف انگشت شہادت سے بغیر قلم اور سیاہی لکھے تو بھی کافی ہے۔

قبر

جناب مرحوم کی قبر مسجد امام باڑہ غفران مآب میں ہے زیر آسمان ہونے اور مدت دراز گزرنے سے موجودہ منتظمین امام باڑہ نے فائدہ اٹھا کر قدیم پیشاب خانہ اپنی جگہ سے ہٹا کر اس سے متصل بنا دیا جس پر شیعان لکھنؤ میں بے چینی ہے۔ اخبارات میں بھی یہ مسئلہ آچکا ہے ہمیں قوی امید ہے کہ اس غلطی کی جلد اصلاح کر دی جائے گی یہ مرحوم کے مصائب کی آخری کڑی ہے۔ (۵ جون ۱۹۵۶ء)



جناب مرحوم نے وفات کے پہلے مقدمہ کی روئداد پر استخارہ کیا کہ کوشش جاری رہے تو یہ جواب ملا:

إِنِّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ وَإِنْ جَادِلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ۔ (پارہ ۱۷ رکوع ۱۵) بیشک تم سیدھے راستے پر ہو اور اگر اس پر بھی تم سے لوگ جھگڑا کریں تو تم کہہ دو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس سے خوب واقف ہے جن باتوں میں تم جھگڑتے ہو روز حشر خدا تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔

دعائے کفن

جناب مرحوم نے وصیت کی تھی کہ ان کے آخری خلعت پر دعائے ادریس کا اڑتیسواں فقرہ لکھ دیا جائے یا كَرِيمَ الْعَفْوِ وَالْعَدْلِ اَنْتَ الَّذِي مَلَأْتَ كُلَّ شَيْءٍ عَدْلًا۔ اس تحریر کے بعد عذاب قبر سے نجات ہوتی ہے اور جسم میت اصلی حالت پر باقی رہتا ہے۔ زمین سے جسد کو نقصان نہیں پہنچتا۔

سید العلماء سید علی نقی نقویؒ کے متعلق معلومات

سید العلماء کی حیات و آثار کے متعلق تحقیقی و تدوینی کام مؤسسہ نور ہدایت، امامباڑہ غفران مآب میں ہو رہا ہے۔ لہذا موصوف کے حلقہ قربت و عقیدت سے درخواست ہے کہ اس تعلق سے جو بھی مناسب مواد مثلاً یادداشتیں، گفتگو، مجلسی نکات نیز خطوط و مضامین، ویڈیو یا آڈیو کیسیٹ اور سی۔ ڈی۔ وغیرہ ہوں عنایت فرمادیں۔ عین نوازش ہوگی۔ یہ سب استفادہ کے بعد انشاء اللہ بصد شکر یہ واپس کر دیئے جائیں گے۔